تحریر: حسن الشل ☆

ترجمہ: مولوی مختار احمد ☆☆

پیغمبرِ انقلاب

عموماً انقلاب کو "ناقابل برداشت پرتشدد حالات" کا منطقی نتیجہ اور انتہائی ردِعمل قرار دیا جاتا ہے۔ اس بحرانی کیفیت اور محشر اضطراب سے راہِ فرار کے لئے دو راستے اختیار کئے جاتے ہیں۔

پہلا راستہ: تشکیل جدید، یعنی انتظامی و حکومتی ڈھانچے کو جو ایسے حالات پیدا کرنے کا باعث ہے یکسر ختم کر کے از سرِ نو نظامِ حکومت کا قیام۔

دوسرا راستہ: موجودہ نظام میں مکمل اصلاح و ترمیم، مناسب اصلاحات کا نفاذ اور خوش آئند تبدیلیاں۔

پہلا راستہ طویل مدت کا متقاضی ہے، بسا اوقات یہ طوالت صدیوں پر محیط اور نسل در نسل اس تگ و دو کی نذر ہو جاتی ہے، تاہم دوسرا طریق کار نسبتاً مختصر اور کم مدت کا تقاضا کرتا ہے۔ بنابریں اسلام کے ہمہ گیر اور وسیع تر انقلاب نے اس طرز و اسلوب کو ترجیح دی، اپنے آفاقی پیغام کو پوری کائنات میں پھیلانے کے لئے اسلام کی نظرِ انتخاب اسی پر ٹھہری۔ لہٰذا قلیل مدت میں اسلام نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور معاشرے و ماحول کی نفسیات اور ذہنیت کے ہم آہنگ وہ منہج حیات ودیعت کیا جو دیومالائی افسانہ طرازیوں سے دور، حقیقت، علم، عقل اور وجدان سے قریب تر تھا۔ اور جس کے مبارک اثرات کا مشاہدہ عصر حاضر میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

اسلام درحقیقت ایک انقلابی تحریک ہے۔ اس کا مقصد اور وجہ ظہور قدیم و رجعت پسند

☆ عمان، اردن، ☆☆ جامعہ فاروقیہ، کراچی

os\Alser

معاشرے کو نئی بنیادوں اور نئے مقاصد پر ازسرِ نو تشکیل دینا ہے۔ تشکیل کے اس عمل میں پیش رفت کے دوران معاندانہ قوتوں کے بارے میں اسلام کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ معتدل و متوازن رویہ اختیار کرکے انہیں رام کرنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ جس لمحے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کو نبوت و رسالت کی خبر دی اور بے بساط، بیکس لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اُسی وقت انتہائی واضح شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر طاقتوں کے مابین باہمی تعلقات کی نوعیت اور مزاج کی کیفیت متعین ہوگئی، خصوصاً اس پس منظر میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئے نظامِ حیات کی دعوت دینے والے تھے جو عصری نظام سے یکسر مختلف بلکہ مدمقابل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روشن ضمیری کی بنا پر دیکھ رہے تھے کہ قریش اور زعمائے قبائل آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور آپ کی دعوت کی راہ مسدود کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مخلص داعیٔ انقلاب کی حیثیت سے لازم تھا کہ ہر طرح کے سیاسی، عقلی اور وجدانی اسلحہ سے لیس ہوں، اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے ہمہ گیر اور وسیع تر انقلاب کی طرف بڑھنے کی سعی فرمائیں، اس دوران رجعیت کے مقابلے میں اگر سختی کی ضرورت پیش آئے تو مناسب گوشمالی اور قوت آزمائی سے گریز نہ کریں۔

اسلامی انقلاب کو بتدریج ارتقائی عمل سے گزار کر حصولِ ہدف کے لئے ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے کار سے، عامۃ الناس تک انقلاب کا پیغام پہنچانے سے قبل منصوبہ بندی، ترتیب و تنظیم کے علاوہ اعلیٰ ترین حکمتِ عملی وضع فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ہی عرصے میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور فطری ذہانت بروکار لاکر بہترین حکمتِ عملی کے ذریعے زوال پذیر، جہالت و ظلم کے اندھیروں میں تا بہ حلق ڈوبے ہوئے معاشرے کو استحصالی طاقتوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی اور ایک نئے نظامِ حیات سے متعارف کروایا۔ ایسا نظامِ حیات جو تخریب و انہدام سے کوسوں دور امن و آشتی، عزتِ نفس و حریت کا گہوارہ تھا۔

اس بنا پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اسلامی انقلاب اپنے تمام ادوار اور پالیسیوں سمیت صبحِ قیامت تک آنے والے ہر صالح انقلاب کیلئے قابلِ تقلید مثال و نمونہ ہے۔ ہر انقلاب اس سے رہنمائی، بصیرت اور حکمت اخذ کرکے راہِ عمل و طریق کار متعین کرسکتا ہے۔

موضوعِ بحث کی جانب آنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فرق و امتیاز میں غور کیا

جائے جو رسول اور ایک ریفارمر، عام داعیٔ انقلاب کے مابین ہوتا ہے۔اس امر پر غور سے بہت سے عقدے حل اور غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں ۔یہی فرق واضح کرتے ہوئے مصطفی محمود کہتے ہیں۔

> رسول خدائی ربانی کا زلہ ربا ہوتا ہے،اسے اپنے رب سے احکام،قوانین اور شریعت الہام ہوتی ہے،وہ عصمت کے درجہ کمال پر فائز ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا نطق خواہشاتِ نفسانیہ کے تابع نہیں ہوتا،اس کے برعکس ماحول سے بے اطمینانی کا شکار، سماج کا باغی داعیٔ انقلاب اہل اجتہاد کی قبیل سے تعلق رکھتا ہے،معصوم ہوتا ہے نہ خطا و نسیان سے پاک،اس کی نگاہ محسوسات کے غیر مرئی دائرے سے تجاوز کرنے کی سکت رکھتی ہے نہ اس کے خیالات،طرز فکر و عمل تخمین و اندازے سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

متذکرہ فرق کے وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بحیثیت ''داعیٔ انقلاب'' تحقیق و جستجو کے دوران الٰہی و ربانی پہلو سے صرف نظر یا تغافل برتنا ممکن نہیں، کیونکہ یہی وہ منبع و مصدر ہے جس سے آپ ﷺ روحانی فیض،قوت و ہمت کسب کرتے اور ایک عزم نو کے ساتھ مصائب جھیلتے ہوئے انقلاب کی تگ و دو میں مصروف کار ہوتے تھے، حیاتِ مبارکہ کے اس بنیادی پہلو کو نظر انداز کرنا بہت سی کج فہمیوں کو جنم دیتا ہے،اس کے علاوہ سیرت نبوی کی صحیح علمی،مقصدی بحث ونظر سے دوری اور مستشرقین کے لادینی نقطۂ نگاہ سے قریب کرنے کا سبب بنتا ہے۔

تشدد و انقلاب

بسا اوقات تاریخ کا طالب علم اس کشمکش و پیچ میں پڑ جاتا ہے کہ آیا انقلاب اور تشدد کو دو متضاد طرزِ عمل خیال کرے یا ایک معنی کی دو تعبیریں! کبھی گمان کرتا ہے،انقلاب تخریب کاری،توڑ پھوڑ اور خونریزی کا دوسرا نام ہے،یا یہ سمجھتا ہے کہ انقلاب ایک منظم غیر قانونی عمل ہے یا تشدد آمیز طرزِ عمل کے رویوں میں سے ایک رویہ،

عامۃ الناس کا تصورِ انقلاب بھی مثبت تعبیر سے محروم ہے،وہ سمجھتے ہیں انقلاب یہ ہے کہ جوشِ غضب سے مغلوب لوگ چاروں طرف سے دھاوا بول دیں اور ملک و قوم کو ظالموں و شرپسندوں کے پنجۂ استعمار سے نجات دلائیں۔

انقلاب کی اس تعبیر اور تصور کا اگرچہ انقلابات زمانہ تائید و توثیق کرتے ہیں،تاہم تاریخ

کے حوالے سے یہ ایک غلط تصور اور منفی تعبیر ہے۔ خصوصاً اسلامی انقلاب اس طرزِ فکر کی لغزشوں کی نہ صرف عملاً نشا ندہی کرتا ہے بلکہ انقلاب کی مثبت تعبیر اور قرآن سے ماخوذ صحیح مفہوم بھی پیش کرتا ہے، حکم ربانی ہے۔

> اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (۱)
>
> آپ اپنے رب کی راہ (یعنی دین اسلام) کی طرف (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلایئے۔
>
> وَقٰتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقٰتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ O (۲)
>
> اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور کسی پر زیادتی مت کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو نا پسند کرتا ہے۔
>
> اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ O (۳)
>
> لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

انقلاب کا یہی وہ مفہوم و تصور ہے جو ہر نفع رساں چیز سے استفادے کی ترغیب اور تشدد، تخریب کاری و دہشت گردی کو اس کا محور و اساس قرار دیے جانے کی مذمت کرتا ہے۔ قرآن کی واضح تعبیر اور صاحبِ قرآن کے طرزِ عمل کے باوجود مستشرقین اسلامی انقلاب کو عام تشدد آمیز انقلابوں کے زمرے میں داخل کرنے پر مصر ہیں، اور زورِ قلم و قوتِ بیان اس نکتے پر مرکوز کیے ہوئے ہیں، مثال کے طور پر ولہاؤزن اور ان کے رفقائے کار کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو وہ کہتے ہیں۔

> مکی دور میں اسلامی انقلاب ایک قومی تحریک کے لبادے میں ابھرا، مدنی عہد میں بھی عالمی سطح تک رسائی نہ پاتا اگر وقت و حالات آمادۂ کرم نہ ہوتے اور مسلسل اتفاقات یاوری نہ کرتے، بعد ازاں اسلامی انقلاب کو جو ہمہ گیریت اور وسعت ملی، محض ایک اتفاقی امر کی بنا پر تھی، جس کے بارے میں آپ ﷺ نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔ ابتداءً

آپ ﷺ نے عدم تشدد کی پالیسی اپنائی۔ کچھ عرصے بعد جب مدینے میں اسلامی ریاست کی تشکیل وتاسیس عمل میں آئی تو آپ ﷺ نے برسرِ اقتدار آ کر حکومتی انتظام و انصرام کی باگ ڈور ہاتھوں میں لی اور آپ ﷺ کے گرد جنگجوؤں کی ایک فوج تیار ہوئی تب آپ ایک قوت و طاقت بن کر ابھرے اور بزورِ قوت اسلامی تعلیمات کو پھیلایا۔

بہر کیف! سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فہم اور اس میں تحقیق وجستجو کا معیار یہ ہے کہ سچائی اور جامعیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور فکر و سوچ کو پرکھا جائے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عملی جدوجہد کے دوران کاربند رہے اور پیشِ نظر رہے کہ آپ ﷺ کی وجہ بعثت احکامِ الٰہیہ کی تبلیغ اور ان کے عملی نفاذ کی کوشش کرنا ہے۔ اس طریق جستجو سے واضح ہو جائے گا کہ اسلامی انقلاب کا مزاج یا اس کی پالیسیاں مرتب کرنے میں حالات، واقعات یا اتفاقات کی کوئی کارفرمائی نہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے، انقلاب کا باعث کوئی اعلیٰ وارفع مقصد ہی ہوتا ہے، یہ ہدف اور مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے کار ہی سے لا الٰہ الا اللہ کی جانب دعوت کی صورت میں واضح فرما دیا تھا کہ اسلامی انقلاب کا منتہا توحید کے بھولے بسرے سبق کا احیاو تجدید ہے۔

انقلاب کی راہ پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ایسے خاندان میں ہوئی جو شجاعت و بہادری، ہمت وقوت، ایثار و قربانی ایسے اعلیٰ اوصاف کا حامل تھا، اور ایسے معاشرے میں آپ ﷺ نے نشو ونما پائی جس میں قبائلی تعصب، نسلی افتخار، شراب نوشی، قتل و غارت اور ڈاکہ زنی عام تھی۔ غرض مذہبی و اخلاقی انحطاط آخری حدوں پر تھا۔ شعور و ادراک کی منزل تک پہنچتے ہی آپ ﷺ عربوں کی اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی زندگی کی دگرگوں کیفیت محسوس کر کے کڑھتے اور دل گرفتہ ہوتے، اسی دل گرفتگی کے باعث آپ ﷺ نے میل جول تقریباً ترک فرما دیا۔ اس دوران آپ ﷺ کی سوچ و فکر کا محور معاشرے و ماحول کی اصلاح تھا، آپ ﷺ ان طریقوں اور اقدامات کے بارے میں غور فرماتے جن کے ذریعے عربوں کو رسوم و رواج اور اوہام پرستی سے نجات دلانا ممکن ہو۔

ایک حقیقی مصلح، انقلاب کے داعی پر، چاہے نبی ہو یا غیر نبی۔ قطعی، فیصلہ کن اور ساز کردار ادا کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ ان شرائط پر پورا اترے جو اس کردار سے متعلق ہیں۔ ان میں سے چند اس

کی ذات، فطرت اور طبیعت سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض اس کے ماحول، سوسائٹی اور معاشرے سے، جس میں وہ نشو ونما پاتا ہے اور رچ رہا ہوتا ہے۔ بنا بریں جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں تمام شرائط "ماحولیاتی، وموروثی" آپ کی ذات میں نہ صرف بدرجہ اتم ملتی ہیں بلکہ آپ کے اخلاق و کردار کی تشکیل اور آپ کی نفسیاتی، عقلی اور جذباتی کیفیات کو مثبت رخ دینے میں مددگار و معاون نظر آتی ہیں۔ والدین کی عالی نسبی سے لے کر ملک شام کے تجارتی سفر، حرب فجار میں جزوی شرکت، معاشرتی مسائل کے حل میں دلچسپی، جیسے تنصیب حجر اسود، بعد ازاں عنفوانِ شباب میں سیدہ خدیجہؓ سے عقد اور اس میں کامیابی، بشمول اخلاقی اثرات اور جاہلی طرز معاشرت سے بُعد اور تنفر، ان تمام نفسیاتی، اقتصادی، معاشرتی، مذہبی، حربی اور سیاسی تجربات کی کارفرمائی نے آپ کی ذات مبارکہ کو آسمانی وحی کے تحمل اور استقبال کے لئے تیار کرنے میں مدد دی۔

قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن تجربات سے گزرے، معاشرتی و اخلاقی نارسایوں اور کج رویوں سے جس طرح محفوظ رہے۔ انہیں دیکھ کر فرد حیرت سے دنگ رہ جاتا ہے، اس کا دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ یہ ذات روئے زمین پر کسی غیر معمولی کام کی انجام دہی یا عظیم کایا پلٹ عمل میں لانے کے لئے بتدریج اصلاح و تربیت کے مراحل طے کر رہی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات میں قدرت کا یہ اہتمام اور دلچسپی آپ کی نبوت و رسالت کی تمہید تھا، تاکہ چالیس سال کی عمر میں جب آپ کو نبوت کی خلعت فاخرہ عطا کی جائے تو یہ یکا یک در آنے والا حادثہ نہ لگے اور نہ آپ کی ذات سے اجنبیت و بیگانگی کا احساس ہو۔

جس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پروان چڑھے اور نشو نما پائی، اس کی کیفیت اور طرز حیات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے بقول شخصے مختصراً یوں ہے:

> جس صدی میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی، دنیا ظلم و جور، جہالت، مذہبی و اخلاقی پستی کی انتہا پر تھی۔ انسان کے وہبی کمالات اور کسبی صلاحیتیں ضیاع کے بھینٹ چڑھ رہی تھیں۔ نفس بشری سے لے کر دین، سیاست، ثقافت اور طرز معاشرت۔ ہر شعبۂ حیات کو جہالت گھن کی طرح کھا رہی تھی، غرض زندگی گناہوں کا ایک بوجھ اور مسلسل مشقت کا نام تھی۔

اسی سے آپ کے اسم مبارک (محمد ﷺ) اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے جواب، جو انہوں

نے مشرکین مکہ کے استفسار پر دیا کہ: روئے زمین پر بسنے والے اس نومولود کی حمد وستائش کریں گے۔ اور آپ کے قرآنی نام (احمد) میں تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کی تعریف وتوصیف کرنے والے ہیں، بقول شخصے: آپ ''محمد'' نہ بنے جب تک ''احمد'' نہ ہوئے۔ آپ ﷺ اگر نبی نہ بھی ہوتے تو بھی ایک عظیم انسان ہوتے، معاشرے میں پھر بھی آپ ﷺ کو وقعت حاصل ہوتی، اس لئے کہ آپ ﷺ ہر اعلیٰ انسانی صفت کے حامل تھے، آپ میں ایک عابد، نابغۂ روزگار، عظیم قائد، روشن ضمیر سیاستدان، باخلاق اور سچے انسان کے تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے، جو ذات ان اوصاف سے متصف ہو وہ عبقریت و عظمت سے بڑھ کر کسی مرتبے پر فائز ہوتی ہے، کیونکہ کسی ایک یا دو اوصاف میں تفوق و برتری کا نام عظمت ہے، اس عظمت کے معجزہ بننے کی اساس ''نبوت'' ہے اور درجۂ نبوت کا حصول صرف مشیت ایزدی اور توفیق من جانب اللہ ہی سے ممکن ہے۔

ابتدائے انقلاب

یہ آثار و قرائن آپ ﷺ کے ہاتھوں ایک عظیم انقلاب برپا ہونے کی طرف اشارہ کر رہے تھے، اس کے علاوہ آپ ﷺ تدریجی مدارج طے کر کے ذہنی، فکری اور جسمانی پختگی کے مرحلے میں تھے، آپ ﷺ انقلاب کی طرف پیش رفت کرنے اور مروجہ رسوم و رواج، معتقدات سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہر سطح پر مستعد تھے۔

پہلا مرحلہ

دعوت و تنظیم

غار حرا میں نزول وحی، سیدہ خدیجہؓ کا اپنے چچا زاد ورقہ کے پاس جانا اور ان کا آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر مہر تصدیق ثبت کرنا، ابوبکر و عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے قبول اسلام کے بعد آپ ﷺ نے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ تاحکم ثانی احتیاط اور خاموشی سے کام لیں اور خفیہ طور پر اسلام کے پیغام کو پھیلائیں، مزید کہا، مشرکین سے دور مکہ کی گھاٹیوں میں نماز کا اہتمام کریں۔ تاہم یہ احتیاطی تدبیریں اور پیش بندیاں زیادہ عرصے مشرکین و کفار مکہ سے دعوت اسلام کو نہ چھپا سکیں۔ ابن ہشام سعد بن ابی وقاصؓ

سے روایت کرتے ہیں: آپؐ نے ایک روز چند مسلمانوں سمیت نماز کی ادائیگی کے لئے مکہ کی گھاٹیوں کا رخ کیا، چند ثانیوں بعد مشرکین کی ایک ٹولی ادھر نکل آئی اور مسلمانوں کو اس فعل پر ملامت کرنے لگی، یہاں تک کر نوبت لڑائی تک پہنچی۔ لڑائی کے دوران سعدؓ کے ہاتھوں ایک شخص شدید مجروح ہوا۔ بقول ابن ہشام: یہ پہلا خون تھا جو راہِ اسلام میں بہایا گیا۔ راجح قول کے مطابق یہ واقعہ نبوت کے تیسرے سال پیش آیا۔

ایک دوسرے صحابیؓ فرماتے ہیں: ایک سال تک ہم نے قبولِ اسلام کو پوشیدہ رکھا، اس دوران نماز کی ادائیگی کے لئے مقفل گھر یا کسی سنسان گھاٹی کا انتخاب کیا جاتا۔

اس واقعے کے بعد آپﷺ نے دارِارقم کو دینی، دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز منتخب کیا، نئے آنے والے یہاں آکر مسلمان ہوتے اور نماز و قرآن کی تعلیم حاصل کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برمحل اور بروقت انتخاب کو سراہتے ہوئے ایک مفسر کہتے ہیں:

> ارقمؓ کے قبولِ اسلام کی خبر اب تک پھیلی نہ تھی، قبولِ اسلام کے وقت آپ رضی اللہ عنہ نوجوان اور قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ بنی ہاشم کے خلاف جنگوں میں جھنڈا اٹھانے کی ذمہ داری آپ کے قبیلہ بنی مخزوم کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ مشرکین مکہ کا تمام تر نزلہ بیکس و نادار لوگوں پر گرتا تھا، سرداران قریش کے گھرانوں کا خیال تک ان کے ذہنوں میں نہ آتا تھا۔

دینی و دعوتی سرگرمیاں بلاتعطل جاری رکھنے کے لئے آپﷺ کا یہ اقدام بلاشبہ آپ کی سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیتوں، بروقت قوتِ فیصلہ اور ذکاوتِ حس کا آئینہ دار ہے۔

آپﷺ اسی روش پر چلتے رہے، خفیہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دے، ہر طرح کے لوگوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حالات کو اپنے حق میں سازگار کرنے کی پیہم سعی میں مشغول رہتے۔ اس وقت تک مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی۔ اسلامی تعلیمات نماز، تزکیہ نفس اور قرآن کے نازل شدہ حصے پر مبنی تھیں۔

کچھ عرصے بعد رؤسائے قریش کے حلقوں میں نئی دعوت کے چرچے ہونے لگے، وہ حسد و

عداوت کے سفلی جذبات سے مغلوب ہوکر پوری قوت کے ساتھ اس دعوت کو روکنے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔رؤسائے قریش کے معاندانہ رویہ کا جواب صلح وانتہا دیا مذاکرات نہ تھے بلکہ مستقل مزاجی اور مضبوط قوت ارادی کے بل بوتے پر اس رویئے کا مسکت جواب دیا جا سکتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے معتدل و متوازن رویہ اپنایا۔اور مستقل مزاجی سے تمام تر توجہ عقیدہ سازی،تو حید کو دلوں میں راسخ کرنے پر مرکوز رکھی۔اس لئے کہ کلمہ تو حید لا الہ الا اللہ ہی اسلامی عقیدہ وایمان کی بنیاد اور اس کی غیر متزلزل اساس ہے، ایمان ایسی جانفزا کیفیت کا نام ہے جو بقول منیر غضبان۔عقل ووجدان،سوچ وفکر،قلب وروح میں اس طرح سرایت کرجاتی ہے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

عام لوگوں تک بھی جب اس نئے دین کی خبر پھیلی،اب لازم تھا کہ علانیہ اس کی دعوت دی جائے اور کھلم کھلا مشرکانہ رسوم و رواج و بت پرستانہ معتقدات سے نبرد آزما ہو جائے، چنانچہ نبوت کے تیسرے سال علانیہ تبلیغ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ O (۴)

آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسے خوب کھول کر بیان کیجئے اور مشرکوں کی ذرا پروا نہ کیجئے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O (۵)

اور آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

جہری وعلانیہ دعوت وتبلیغ کو دو مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علانیہ اسلام کی دعوت دینا،مسلمانوں کا اظہار اسلام اور کھلے بندوں شعائر اللہ کی ادائیگی۔

امر الٰہی پانے کے بعد ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر قریش کو نام بنام پکارا، جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی۔اس دعوت کے جواب میں قریش کے انتہائی ردعمل کا عکس آپ کے چچا ابولہب کے اس قول میں پنہاں نظر آتا ہے جس نے آپ ﷺ کی بات سنتے ہی کہا:ہلاکت ہو تیرے لئے،کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔اس پر سورۂ لہب نازل ہوئی۔

حکم ربانی کی رو سے سب سے پہلے قرابت داروں کو تبلیغ رسالت کی دعوت دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دعوتِ اسلام اپنے تمام ادوار میں انہیں کے ساتھ خاص ہے۔بلکہ یہ تبلیغ دین کا پہلا بڑا عملی اقدام

تھا، اس کے علاوہ کنبہ و خاندان کے لوگ زیادہ مستحق تھے کہ انہیں دوسروں پر ترجیح دی جائے، حالانکہ اسلام تمام تر نافعیت کے ساتھ ہمہ گیر و کثیر الجہت ہے، کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے نہ کسی خاندان کی اس پر اجارہ داری!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دشمنی اور پرزور مخالفت کے باوجود علانیہ دعوت و تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا اور کھلم کھلا بت پرستی کی مذمت کرنے لگے، روٴسائے قریش نے جب روک ٹوک اور مخالفت کا اثر نہ دیکھا تو ایک روز چند معززین آپ کے حامی و مددگار ابو طالب کے پاس آئے، آپ ﷺ پر اپنے غم و غصے کے اظہار کے بعد یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی دعوت سے روکئے۔ چند روز بعد ابو طالب نے وفد قریش کی کارگزاری آپ ﷺ کے گوش گزار کی اور ان کے مقابلے میں اپنے ضعف و بے طاقتی کا اظہار کیا۔ چچا کی گفتگو سن کر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ اب یہ کفار کے مقابلے میں میری حمایت سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا:

> چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں احکام الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہوسکتا، یا تو خدا کا دین غالب ہوگا اور شرک و بت پرستی ختم ہو جائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کردیا جاؤں گا۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ آبدیدہ ہوگئے۔ آپ کی استقامت کا ابو طالب پر گہرا اثر پڑا، بے اختیار کہنے لگے، پیارے بھتیجے! تم جو چاہو کہو، میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔

مصمم عزم و ارادہ اور غیر متزلزل استقلال پر مبنی یہ ایسا انقلابی موقف ہے جو تمام طاقتوں حتیٰ کہ جانی دشمنوں کو بھی خوفزدہ کر کے کسی کونے میں دبکنے یا دوش بدوش چلنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ متبعین کے دل و دماغ میں ایقان و اعتماد کے سوتے جگا دیتا ہے، اس لئے کہ صلح یا مصالحانہ رویہ اور خوف کسی بھی دعوت کو پستی و زوال سے دوچار کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس عرصے میں آپ ﷺ نے دین اسلام کے نقوش اور اس کی بنیادیں واضح فرمادیں۔ اللہ، رسول، یوم آخرت اور بعثت و نشور پر ایمان اسلام کے وہ عقائد تھے جنہیں اصنام پرستی اور شرک کا عادی معاشرہ سم قاتل گردانتا اور ان عقائد کو پھیلنے سے روکنے میں اپنی بقا پنہاں سمجھتا تھا۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے، آپ ﷺ کا مذکورہ موقف انقلابی موقف تھا نہ کہ سیاسی! اس لئے کہ سیاسی نکتہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو ان مبادی و اعتقادات کو انقلاب کی کامیابی کے بعد ظاہر کیا جانا چاہئے تھا، خصوصاً ان حالات میں جبکہ کفار اور آپ کے درمیان ایک سے زائد اھداف میں اشتراک عمل پایا جاتا تھا، جیسے کہ سرزمین عرب کو رومی و فارسی ریشہ دوانیوں سے نجات دلانا، تجارت کو فروغ اور بعض معاشرتی و اخلاقی برائیوں کی اصلاح کرنا۔

تاریخ میں مشرکین و کفار کے بہت سے سیاسی اور تشدد آمیز اقدامات کے احوال و کوائف ملتے ہیں، جن کا مقصد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو فنا کے گھاٹ اتارنا تھا، تاہم ایسی تمام کاروائیاں اور اقدامات ناکامی سے دوچار ہوئے، حتی کہ ایک عرصے سے جاری ابو طالب کو آپ ﷺ کی حمایت و اعانت سے دستبردار کرنے کی کوششوں میں بھی قریش کو ناکامی کے واضح آثار دکھائی دینے لگے۔ مسلسل ناکامیوں کی خجالت مٹانے کے لئے قریش نے مذاکرات اور افہام و تفہیم کا راستہ چھوڑ کر جبر و تشدد کا حربہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنے فیصلے پر عمل پیرا ہوئے، آپ ﷺ اور کمزور صحابۂ کرامؓ کو ستانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ایذا رسانیوں اور عداوت کے باوجود آپ ﷺ دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے، لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے اور بت پرستی و شرک سے روکتے۔

تبلیغ رسالت کے بعد دوسرا مرحلہ مسلمانوں کا آپس میں ربط و ضبط اور انہیں منظم کرنا تھا۔ اس مرحلے پر عمل کی جگہ دار ارقم قرار پائی۔ اوپر بیان ہو چکا کہ دار ارقم کو مسلمانوں کے اجتماع اور دینی و دعوتی سرگرمیوں کا مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا، نماز کے اوقات میں مسلمان یہاں جمع ہوتے، قرآن کی تعلیم اور حفظ سے قلوب منور کرتے اور ایک دوسرے کی خیریت و احوال پر مطلع ہوتے۔

اس وقت تک مسلمان اور آپ ﷺ مشرکین و کفار کے خلاف دفاعی رویہ اپنائے رہے اور ان کے مظالم سہتے رہے، اب مسلمانوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہو چکا تھا اور صورتحال بھی پہلی جیسی نہ تھی۔ لہٰذا ایک نئے موقف اور نئے طرز عمل کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی۔

انقلاب کی طرف پیش رفت

اسلام کے اثر و نفوذ کو روکنے کی کفار و مشرکین کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور اسلام برابر

پھیلتا رہا،اس لئے انہوں نے ضعیف و نادار مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا۔اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اپنی جان و ایمان بچانے کے لئے حبشہ ہجرت کر جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارضِ حبشہ کو پہلی ہجرت کے لئے منتخب کرنا مختلف و متنوع اسباب کی بنا پر تھا۔ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔

عادل بادشاہ کی وجہ سے،جس کے عدل و انصاف کا شہرہ تھا،کشتیوں کے ذریعے بسہولت آمدورفت،نصرانیت اور اسلام کے مابین تعلقات استوار کرنا جن میں مرورِ زمانہ کے باعث کچھ تلخیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں،یہ وجہ بھی بعید از امکان نہیں کہ یہ انتخاب دعوت و تبلیغ اسلام کی توسیع اور پھیلاؤ کے امکان کو پیشِ نظر رکھ کر عمل میں لایا گیا ہو۔بشمول اس معنوی و روحانی قوت کے جو اسلامی انقلاب اور حبشہ میں نصرانیت کے درمیان اتحاد و اتفاق کے ذریعے پیدا ہوئی،جس نے مشرکین مکہ پر رعب اور خوف کی کیفیت طاری کر دی۔اس خوف کا اظہار ہجرت کے فوراً بعد ان کے ردِعمل سے ہوتا ہے،جس کے تحت انہوں نے سفیروں کا ایک وفد نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی غرض سے بھیجا۔جعفر بن ابی طالب،نجاشی اور عمرو بن عاص۔جو اس وقت مشرک تھے۔کے مابین گفتگو سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے مشرکین کے وفد کی سازش انہیں پر لوٹا دی،نجاشی کے دربار سے ذلیل و خوار ہو کر نکلے۔بعد ازاں حبشہ میں مسلمان امن و آشتی سے زندگی بسر کرنے لگے۔مکہ میں مقیم اکابر صحابہؓ کے لئے امن و سلامتی کی سبیل یوں پیدا ہوئی کہ انہیں ان کے قبیلوں نے اپنی حفاظت و حمایت میں لے لیا،جس کے تحت بڑی حد تک کفار کے دست برد سے مامون رہے۔ہجرتِ مدینہ سے قبل آپ ﷺ اور چند صحابہؓ بھی بعض مشرکوں کی پناہ میں رہے۔اس سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے بقدرِ ضرورت ان قوانین اور عادات سے استفادہ کرنے سے گریز نہیں کیا جن پر مشرکین و کفار بحیثیت عرب سختی سے کاربند تھے اور جن کے تحت اپنے جانی دشمنوں سے بھی تعرض نہ کرتے تھے۔

یہ مرحلہ بہت سے ناگہانی اور حیرت انگیز واقعات سے لبریز ہے،اس اثنا میں اسلامی انقلاب کے قوانین اور تعلیمات کا ایک بڑا حصہ منصۂ شہود پر آ چکا تھا،مشرکین کی دشمنی و ایذا رسانی کے باوجود ضعیف و کمزور لوگ اس نئے دین کو نجات دہندہ سمجھتے تھے،عدل و مساوات،امن و آشتی کے تر سے ہوئے یہ لوگ

جوق در جوق اس مذہب کو قبول کرتے اور کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے۔

اس مرحلے کا خاص واقعہ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام ہے، یہی واقعہ اسلام اور بت پرست معاشرے کے مابین حقیقی آویزش کا سرآغاز ہے، عمرؓ کا قبولِ اسلام، بقول آرنلڈ تاریخ اسلام کا حیرت انگیز واقعہ اور ضعف سے قوت کی جانب تبدیلی کا نقطہ آغاز ہے۔ آپؓ کے ذریعے اسلام کو یک گونہ تقویت ملی، مسلمانوں نے ایک نیا ولولہ اور جوش محسوس کیا۔ اس سے قبل مسلمان چھپ کر پوشیدہ طور پر نماز ادا کرتے تھے، اب علانیہ شعائرِ اسلام کا اظہار اور بیت اللہ میں نماز ادا کرنے لگے۔

اس صورت حال سے قریش کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ جب جبر و تشدد کے تمام حربے ناکام ہوئے تو انہوں نے سماجی بائیکاٹ اور مقاطعے کا حربہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ تمام قبائل نے متفقہ طور پر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے مکمل سیاسی، سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ کا معاہدہ کیا اور معاہدے کی دستاویز کو کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔

تقریباً تین سال یہ ظالمانہ و سفاکانہ معاہدہ نافذ العمل رہا، اس دوران ضرورت کی ہر شئے نایاب تھی، البتہ بعض لوگ اپنے عزیزوں کو تکلیف میں دیکھ کر پوشیدہ طور پر سامانِ خورد و نوش بھیج دیتے۔

یہ نفسیاتی اور اعصابی جنگ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دلوں میں عزمِ نو پیدا کرنے کا سبب بنی۔ آپ ﷺ اور آپ کے متبعین ایک ولولہ تازہ کے ساتھ جانفشانی سے راہِ انقلاب پر قدم بڑھانے لگے، اور انہوں نے اس راہ میں ہر مصیبت و ابتلا کو ہنسی خوشی گلے لگایا۔

بالآخر قریش کے چند لوگوں کو یہ تکلیف دہ معاہدہ ختم کرنے کا خیال آیا۔ بعض مشرکوں کی مخالفت کے باوجود ان لوگوں کی مساعی کامیابی سے ہمکنار ہوئیں اور آپ ﷺ اس ابتلا سے کامیاب و کامران لوٹے۔ قریش کے چند لوگوں کا ابوجہل وغیرہ کی مخالفت کے باوجود معاہدہ ختم کرنے کی کوشش کرنا ایک نئے مرحلے کا نقطہ آغاز تھا، جس کے سبب مشرکین کو اس نئے دین اور نئی دعوت کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا، خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عداوت اور دشمنی کے باوجود حسن اخلاق سے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، بہترین طرزِ عمل اختیار کرتے اور موجودہ معاشرے کی اچھی روایات کو سراہتے اور ان سے استفادہ کرتے۔

کفارِ مکہ کے ظلم و جور اور ایذا رسانی میں دن بدن اضافہ ہونے لگا، مسلمانوں کو یہ دین ترک

کرنے کے لئے طرح طرح سے ستانے لگے۔ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ بھی انھیں آپ کو ستانے سے نہ روک سکا۔ ابولہب کی بیوی آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتی اور آپ کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ ولید بن مغیرہ سے ایک روز آپ ﷺ کا اچانک سامنا ہوا، چھوٹتے ہی بڑی دریدہ دہنی سے کہنےلگا: محمد (ﷺ) پر وحی نازل ہوتی ہےاور مجھ سے اعراض برتا جاتا ہے، حالانکہ میں قریش کا سردار اوراس کامعزز فرد ہوں۔ قرآن پاک میں ان کے ان مزعومات اوراعتراضات کے مسلسل جوابات آتے رہے۔

ایک دن ابی بن خلف بوسیدہ ہڈی لے کرآپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنےلگا: کیا تم یہ دعویٰ کرتے ہوکہ اللہ (تعالیٰ) اس ہڈی کودوبارہ زندہ کرےگااوراسے نیا وجود بخشے گااس بوسیدگی اور خستگی کے باوجود؟ یہ کہہ کر ہڈی کو ہتھیلی پر مسل کراس کی خاک آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر پھونک سے اڑادی۔ اس بداخلاقی کو برداشت کرتے ہوئے متحمل لہجے میں آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں اور ہڈی کو بوسیدگی کے باوجود خداقیامت کے دن زندہ کرےگااور تمھیں جہنم رسید۔

قرآن پاک کی یہ آیت اسی تفصیل کا اجمال ہے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ ط مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (۶)

اس اثنا میں آپ ﷺ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابوطالب کی وفات کے غم سے سنبھالا نہ ملا تھا کہ رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہؓ کی ناگہانی موت نے آپ ﷺ کو ایک دوسرے غم میں مبتلا کردیا، ان مسلسل اندوہگیں واقعات کی بناپراس سال کوعام الحزن کہا گیا۔

ابوطالب وحضرت خدیجہؓ وفات کے بعد قریش انتہائی بے باکی سے آپ ﷺ کو ستانے لگے اورآپ ﷺ کی قوت توڑنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ یہ اسلام کا سخت ترین دورتھا، ہر مشرک آپ ﷺ کے خلاف غصے وانتقام سے بھرا بیٹھا تھا، اور وقتاً فوقتاً اس کے اظہار سے نہ چوکتا تھا۔ ایک دفعہ راستے میں آپ ﷺ کا سامنا ایک شخص سے ہوا، اس نے چھوٹتے ہی آپ ﷺ کے سر مبارک پر مٹی پھینکی، آپ ﷺ اس سے تعرض نہ کرتے ہوئے خاموشی سے ایک طرف ہولئے۔ اس حال میں جب آپ گھر میں داخل ہوئے آپ کی بیٹی روتی ہوئی اٹھیں اورآپ کا سر جھاڑنے لگیں، لختِ جگر کوروتا دیکھ کر بے اختیار آپ کا دل

E.pinar os\Alser

بھر آیا، تسلی آمیز لہجے میں فرمانے لگے: بیٹی مت رو، اللہ رب العزت تمہارے والد کا حامی و ناصر ہے۔

ایک سچے اور مخلص انقلابی کی نفسیات، فطرت اور اعصاب مضبوطی کے اسی درجے پر ہوتے ہیں، بڑے سے بڑا حادثہ یا حوصلہ شکن غم اس کے اعصاب یا ذہن کو متاثر کرسکتا ہے نہ اس کی رفتار و گفتار پر اثر انداز ہوسکتا ہے، اور جو ہر حالت میں لوگوں سے حسن اخلاق و خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے اور ان کے جذبات پر حکومت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور برتاؤ بحیثیت داعیٔ انقلاب، حقیقی اصلاح پسند انقلابی قیادت کے لئے مشعل راہ اور قابل تقلید مثال ہے۔ اسی طرز عمل و اسلوب نے قلیل مدت میں نہ صرف تاریخ کا رخ پھیر دیا بلکہ مظلوموں کی فریاد رسی کرتے ہوئے رجعت پسند معاشرے کے تنگنائے سے نجات دلا کر امن و سکون کی وسیع فضا سے آشنا کیا۔

نفاذِ انقلاب کی ابتدا

مشرکین و کفار کی روش، اسلام سے ان کی نفرت و عداوت اور متبعین اسلام کے ساتھ معاندانہ رویے نے جلد ہی واضح کر دیا کہ اس نئی دعوت کا مرکز و منبع مکہ کو بنانا کسی طرح قرین مصلحت نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کی طرف اس خیال کے تحت رخت سفر باندھا کہ شاید زعمائے ثقیف اسلام قبول کرلیں اور آپ کے دست و بازو بن جائیں۔ مگر آپ کے ارادوں کا گلا گھونٹتے ہوئے ان ظالموں نے اوباش اور آوارہ لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور آپ پر پتھر برسائیں۔ اہل طائف کے اس سلوک پر بے اختیار آپ ﷺ کے لبوں پر یہ دعا جاری ہوگئی۔

> اے اللہ! میں اپنی کمزوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی نظر میں اپنی ذلت و بے توقیری کی آپ سے شکایت کرتا ہوں، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! آپ تو کمزوروں اور عاجزوں کے مالک و رب ہیں اور میرے مالک و رب بھی آپ ہی ہیں، آپ مجھے کسی غضبناک دشمن کے سپرد کریں گے یا کسی دوست کے جس کو آپ نے میرے امور کا مالک بنا دیا ہے، اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو مجھے ان مصائب و تکالیف کی پروا نہیں۔

اپنوں سے ظلم وستم سہنے کے بعد غیروں کے رویے نے آپ کے ذہن پر ذرا منفی اثر نہ ڈالا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے دعا ومناجات میں مشغول ہوگئے، اور اسی سے تبلیغِ دین اور قیامِ انقلاب کے لئے مدد واعانت چاہی۔ اہلِ مکہ وطائف پر نزولِ عذاب کی پیشکش سے یہ کہہ کر معذرت فرمائی کہ مجھے اللہ کی ذات سے قوی امید ہے، ان کی آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں گے اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

آپ ﷺ طائف تبلیغِ رسالت اور اشاعتِ دین کی غرض سے گئے تھے، تاہم آپ کے پیشِ نظر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کفارِ مکہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ آہنی حصار کی تلاش بھی تھی، یہ پہلا موقع تھا آپ ﷺ مکہ سے بغرضِ تبلیغ نکلے اور کسی دوسرے علاقے کا رخ کیا۔ اسی طرح یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ مدد وحمایت کے طلبگار ہوئے، کیونکہ مشرکینِ مکہ کی جزوی ومحدود حمایت وحفاظت ان کی اپنی پیشکش کی بنا پر تھی نہ کہ آپ کے طلب کرنے پر۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے یہ تبلیغی دورہ راز میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی، واپس لوٹتے ہوئے زعمائے ثقیف سے کہا کہ وہ آپ کے آنے کو صیغۂ راز میں رکھیں۔

اہلِ مکہ نے قبولِ اسلام سے تنفر او رتعند کے باوجود آپ کے خلاف سخت ردِ عمل کا مظاہرہ کیا اور مکہ میں داخلے کی اجازت نہ دی، تاہم مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو پناہ دی اور آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

اسلامی ریاست کی تشکیل وتاسیس کے مرحلے کی تفصیلات سے قبل وہ اسباب وعوامل غور طلب ہیں جن کی بنا پر اہلِ قریش اس نئی دعوت کے قبول کرنے سے متنفر اور اس کے پھیلنے سے شاکی رہے۔ اس ضمن میں مستشرقین کے بیان کردہ مادی اسباب اس اعراض وتنفر کی علت اور وجہِ جواز بننے کے لئے قطعاً ناکافی ہیں، کیونکہ دوسرے طاقتور دینی، نفسیاتی اور سیاسی محرکات وعوامل مادی اسباب سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ بنا بریں قریش کے قبولِ اسلام سے اعراض کی یہ وجہ بیان کی جاسکتی ہے کہ دین ومذہب ان کے لاشعور اور داخل میں دبکا بیٹھا تھا، ظاہری طرزِ زندگی پر اس کا کوئی اثر ونفوذ تھا نہ وہ اس کی کوئی علامت دیکھتے تھے۔ جبکہ دینِ اسلام جس طرح باطن کو اصلاحِ عقائد کے عنوان سے مخاطب کرتا ہے، ظاہر کو بھی شریعتِ الٰہیہ سے آراستہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے معاشی ومعاشرتی بہت سے قوانین ایسے تھے جن سے عرب من حیث القوم نابلد تھے اور رجحان کے حلق سے نیچے نہ اترتے تھے۔

قبولِ اسلام سے اعراض کی دوسری بڑی وجہ قریش کی قیادت وسیادت کے عناصر تھے،

روسائے قریش اسلام کی مقبولیت سے خائف اور اس کی تعلیمات پھیلنے میں اپنی بے مہار حکومت ہاتھ سے نکلتے دیکھتے تھے، کیونکہ اسلام کے انقلاب آفریں قوانین میں ایک قانون یہ تھا کہ حاکمیت صرف و صرف اللہ کی ہے، اور آئین سازی کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لہٰذا یہ بات عرب قیادت کو عوام سے غلامانہ برتاؤ اور ملک کو ذاتی جاگیر سمجھنے سے روکتی تھی اور خود احتسابی کی دعوت دیتی تھی، جس کے وہ روادار نہ تھے۔

سیاسی اسباب بھی اپنی جگہ قوی محرک تھے، بقول واٹ: عرب کے اسلام قبول نہ کرنے کی ایک وجہ قومی سیاست بھی تھی، اور اس لئے بھی وہ قبول اسلام سے اعراض برتتے تھے کہ یہ دعوت ایک سطحی و بسیط دعوت نہ تھی بلکہ ایک ایسے انقلاب کی منادی تھی جس نے دور جاہلیت کے تمام نشانات و آثار مٹانے تھے۔

مذکورہ بالا تجزئے سے مستشرقین کی بیان کردہ توجیہ کی قلعی کھل جاتی ہے، اور واضح ہو جاتا ہے کہ دعوت اسلام یا انقلاب سے مشرکین و کفار مکہ کے اعراض کے پس پردہ مادی اسباب کارفرما نہ تھے، بلکہ یہ ان کی موت و حیات کا مسئلہ تھا، ان کی سیاست، ان کی عادات، اخلاقی قدریں اور رسوم و رواج ان کے لئے سب سے بڑے سنگ راہ تھے۔

جب شعب ابی طالب اور سفر طائف میں آزمائش کی تمام منزلیں سر ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسراء و معراج کے شرف سے سرفراز فرمایا۔ یہ واقعہ اپنی ہیئت اور کیفیت کے اعتبار سے مادیت کی اساس پر حملہ اور آپ کے دعویٰ رسالت کی سچائی پر برہان قاطع تھا، اس سے عام مشرکین کو اندازہ ہوا کہ یہ دعوت ایک سچی اور مخلص دعوت ہے، جو انہیں جہالت فقر و فاقہ اور خوف کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر علم و عرفان، سعادت و ترقی اور حریت کی وسیع اور ناپیدکنار فضاؤں میں لے جانے کے لئے آئی ہے۔

انقلاب کو وسعت دینے کی کوشش

نبوت کے بارہویں سال حج کے دنوں میں مدینہ منورہ کے ۱۲ آدمی آپ ﷺ سے ملنے کے لئے مکہ حاضر ہوئے، ان حضرات نے منیٰ میں، عقبہ کے قریب رات کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مندرجہ ذیل امور پر بیعت کی، اس کو بیعت النساء کہتے ہیں، کیونکہ یہ بیعت جہاد و قتال پر نہ تھی۔

۱۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور صرف اسی کی عبادت کریں گے۔

۲۔ چوری اور زنا نہیں کریں گے۔

۳۔ اپنی اولاد کو زندہ درگور نہیں کریں گے۔

۴۔ کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے۔

۵۔ ہر اچھی بات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔

اگر یہ شرائط پوری کریں تو ان کے لئے جنت ہوگی، ورنہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا چاہے وہ عذاب دے چاہے وہ بخش دے۔

اس بیعت کے ساتھ اسلام مکہ سے نکل کر مدینہ میں پھیلنے لگا، اور اس کے بعد اسلامی انقلاب کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر آپ ﷺ نئے مرحلے کی منصوبہ بندی میں مشغول ہو گئے، خصوصاً اب جبکہ صورتحال قدرے مختلف تھی، لہٰذا اسلامی ریاست کے قیام کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں۔ اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ستر اور مشرکین کی تعداد تین سو کے درمیان تھی، افرادی قوت میں یہ ہوش ربا فرق منصوبہ بندی میں باریک بینی کا متقضی تھا تا کہ طاقت میں توازن رہے، اور فریقین میں طاقتور فریق دوسرے کو تر نوالہ سمجھ کر جارحیت کا مظاہرہ نہ کرے۔

بیعت کے بعد آپ ﷺ نے قیام حکومت کی غرض سے شورائی نظام کے تحت ۱۲ نقیب اور نگراں منتخب کرنے کا حکم دیا، جو اپنی قوم میں دین کی اشاعت اور تبلیغ کے کفیل و ذمہ دار ہوں۔

آپ ﷺ کا یہ عمل امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی، حکومتی و اداراتی امور کے انتظام و انصرام اور عہدہ تفویض کرنے کے لئے مشاورت اور جانبین میں توازن و اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، تا کہ مستقبل میں کسی قسم کے اختلاف رونما ہونے کی نوبت نہ آئے۔

ابتدائی عمل بحسن و خوبی انجام پانے کے بعد اب ان چنیدہ افراد کے فرائض میں شامل تھا کہ اسلامی مملکت کے جائے قیام اور دائرہ کار کو متعین کریں، اور دعوت و تبلیغ کے میدان کو وسعت دینے کے لئے عملی جہد و کاوش کا آغاز کریں، تا آنکہ یہ دعوت مخصوص ماحول سے نکل کر پوری کائنات میں پھیل جائے۔ مذکورہ تیاریوں اور پیش بندیوں کے بعد دعوت اسلامیہ کو ہجرت مدینہ کا اہم مرحلہ درپیش تھا۔ اس مرحلے کی ایک ایک جزئیات سے آپ ﷺ کی عبقریت، دور بینی، نتائج کے قبل از وقت ادراک ایسی عمدہ صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ مشرکین کی عداوت و دشمنی، ہجرت سے روکنے اور آپ کو قتل کرنے کی کوششوں کے باوجود آپ ﷺ نے نقل مکانی کے ارادے کو عملی جامہ پہنایا۔

آپ ﷺ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سونا، دن کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکل کر مدینہ کے بجائے غارِ حرا کی طرف رخ کرنا، مکہ کے حالات سے واقفیت بہم پہنچانے کے لئے جاسوس مقرر کرنا، قدموں کے نشانات مٹانے کیلئے مویشیوں کا راستہ اختیار کرنا۔ یہ چھوٹی چھوٹی جزئیات اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت اور آپ ﷺ کی منصوبہ سازی کی صلاحیت اور ذکاوت حس پر دلالت کرتی ہیں۔

ہجرتِ مدینہ کا مقصد ان صلاحیتوں کو نفع رساں بنانا تھا جن کا مکہ میں ضیاع کا قوی اندیشہ تھا۔ اور مسلمانوں کو ایک مرکز اور دائرہ عمل میں جمع کرنا تھا تاکہ انقلابِ اسلام کی سرگرمیاں نئی سرزمین پر کسی خوف و خدشے کے بغیر، پوری قوت سے انجام پاسکیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے عمل سے اسلامی انقلاب کی نشاۃ ثانیہ کی ابتدا ہوئی۔

اس ضمن میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو متفرق اور ٹولیوں کی صورت میں مدینہ ہجرت کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے مسلمان مکہ چھوڑنے لگے، یہاں تک کہ مکہ میں چند بیکس اور نادار مسلمان، جو کفار کے نرغہ میں تھے رہ گئے۔

چند دنوں بعد جبریل امین آپ ﷺ کے لئے ہجرت کا پیغام لے کر آئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیقِ سفر کے طور پر منتخب کیا۔

اسلامی ریاست کا قیام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی ابتدا مسجد کی تعمیر اور انصار و مہاجرین کے مابین رشتۂ اخوت کی مضبوط بنیادوں پر فرمائی، بعد ازاں اسلامی فوج کی تشکیل عمل میں لائی گئی، تاکہ اس کے ذریعے اس نوزائیدہ ریاست کی جغرافیائی اور فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے، اسلامی ریاست کے قیام کے جو اہداف ہیں، مثلاً ایک نئے نظام کی تنفیذ اور ایک نئے معاشرے کی تاسیس۔ انہیں درپیش مشکلات اور رکاوٹوں سے بزورِ قوت نمٹا جائے۔

مسجد ایک چاردیواری نہ تھی بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے مدرسہ، گھر اور محکمۂ انصاف کی حیثیت رکھتی اور اتحاد و اتفاق، باہمی ہم آہنگی کی علامت سمجھی جاتی تھی، عسکری مہمیں یہیں سے روانہ ہوتیں اور مذہبی

وسماجی رسوم کی ادائیگی یہیں پر عمل میں آتی، محبت، اخوت اور ایثار و قربانی کے درس مسلمان یہیں سے حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ مسجد ایک اقتصادی محکمہ تھی، اس محکمے کے فرائض میں مالداروں سے صدقات وزکوۃ کی وصولی اور غریبوں و ناداروں میں تقسیم کرنا تھا۔

انصار و مہاجرین کے مابین رشتۂ مواخاۃ اور بھائی چارگی کے معاہدے کا مقصد ہر طرح کی تفریق، نسلی تفاخر اور قبائلی عصبیت کا قلع قمع کرنا اور مسلمانوں کو ایک ہی رنگ میں اس طرح رنگنا تھا کہ سیاہ و سفید، غریب و دولتمند میں کوئی فرق و امتیاز نہ رہے اور پوری امت جسدِ واحد کی تصویر پیش کرے۔ اس معاہدے نے پہلی مرتبہ اجتماعی و معاشرتی زندگی کے وہ اصول متعارف کروائے جن کا ادراک یورپ کے دانشوروں کو ۱۹ ویں صدی عیسوی کی آخری دھائیوں میں ہوا۔

جدید مسلم ریاست اور قرب و جوار کے قبائل کے مابین باہمی تعلقات کا معاہدہ اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ اس معاہدے کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگوں کو مسلمانوں کے قریب آنے کا موقع ملے اور براہِ راست اسلام کا مشاہدہ و مطالعہ کرسکیں، اس لئے کہ اسلام کا پیغام عام اور عالمی تھا، کسی قبیلے کے ساتھ خاص تھا نہ کسی قوم کے ساتھ۔

معاہدہ و رشتۂ مواخاۃ اپنے تمام مدلولات کے ساتھ ایک بہترین اور قابلِ ستائش تجربہ تھا۔ اسلامی معاشرے کی تاسیس کے پہلے اقدام میں کامیابی سے اسلام کی اصلاحِ عمل کے احوال اور معاشرے میں امن و سکون، عدل و انصاف قائم کرنے کے دعوؤں پر قدرت کی صلاحیت واضح ہوگئی اور دلوں میں رہا سہا شک جاتا رہا۔

اسلامی فوج کی تشکیل کا عمل آپ ﷺ کا اہم اقدام تھا۔ آپ مشرکین و مخالفین سے فوراً مسلح جہاد و قتال کے خواہاں نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نومسلموں میں ابھی اسلامی تعلیمات پوری طرح راسخ نہ ہوئی تھیں اور نہ محاربین میں اسلام اس طرح پختہ ہوا تھا کہ انہیں قبائلی نخوت و عصبیت کے مقابل ڈگمگانے سے باز رکھتا۔ تاہم آپ ﷺ نے مسلح جہاد کا حکم اسی وقت دیا جب آپ مطمئن ہوگئے کہ متبعین اسلام میں روحِ جہاد پوری طرح سرایت کرچکی ہے اور ان کی حربی صلاحیت اس درجے تک پہنچ چکی ہے جہاں وہ حکمِ ربانی

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ...... الخ (۷)

کے مکلّف ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ذہنوں میں انقلاب کا تصور راسخ کرنے کے ساتھ ساتھ عسکری تربیت اور ذہن سازی کی طرف بھی متوجہ رہے، اخذ بالا سباب کی تعلیم دیتے اور جہاد و شہادت کے فضائل بیان کرتے، حتیٰ کہ راہ خدا میں جہاد، صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ایک تمنا بن گئی اور وہ شہید کی قدر و منزلت حاصل کرنے کے لئے تڑپنے لگے۔

اس طرح انقلاب تنفیذ کے مرحلے میں داخل ہوا اور اس کی دعوت تمام قبائل تک پہنچ گئی۔

کشمکش کی ابتدا

مدینہ میں اسلامی مملکت کی تشکیل و تاسیس کے دوران آپ ﷺ چھوٹے چھوٹے سریئے قریش کو الجھانے کی غرض سے بھیجنے لگے، جن کے ذریعے اہل مکہ کی متوقع جارحیت کا خطرہ فی الوقت ٹل گیا اور ان کی تجارتی سرگرمیوں میں بھی واضح کمی محسوس ہوئی۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ مکہ و مدینہ کے تجارتی اور نکاس کے راستوں سے واقفیت بہم پہنچائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی روحانی و معنوی قوت کی آبیاری کرتے رہے اور انہیں یقین دلایا کہ ان میں باطل سے ٹکرانے اور اسے ہزیمت کا کڑوا گھونٹ پلانے کی بھرپور سکت و طاقت ہے۔ اس وقت جبکہ قرب و جوار کے قبائل سے خفیہ معاہدہ عمل میں آچکا اور داخلی شورش کا خطرہ بڑی حد تک ٹل گیا۔ تو آپ ﷺ اپنے مختلف جارحانہ اقدامات سے مشرکین مکہ کو اقتصادی و تجارتی بندش کے خوف میں رکھا۔ ان اقدامات اور قریش کی مسلسل استحصالی کاروائیوں کے باعث فضا مسموم تھی، حالات و واقعات سے اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ تھا کہ عنقریب فریقین کے مابین ایک معرکہ بلاخیز برپا ہونے والا ہے۔

اس پس منظر میں لازم تھا کہ جنگ کی ابتدا و اقدام آپ ﷺ کی طرف سے ہو، تا کہ مشرکین مکہ پر رعب و خوف کی کیفیت طاری ہو اور ان کے اعصاب شکستہ ہوں۔ اس کے علاوہ وہ جان لیں کہ ہجرت کے بعد مسلمان کسی قسم کے ضعف و کمزوری میں مبتلا ہوئے ہیں نہ ان کے ذہنوں میں سلگتی انتقام کی چنگاری معدوم ہوئی ہے۔

بالآخر ان تیاریوں کا نتیجہ معرکۂ بدر کی صورت میں نکلا، جسے قرآن کریم ''فرقان'' کے نام سے

یاد کرتا ہے۔ سید قطب فرماتے ہیں:

> غزوۂ بدر نے حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم کی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم، قیادت و رہنمائی میں شروع ہو کر اختتام پذیر ہونے والا یہ معرکہ اسلامی انقلاب کو دو عہدوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا عہد صبر و انتظار کا تھا، جبکہ دوسرا دور ظلم و شرک کے خلاف جارحیت و اقدام کا، اسی طرح غزوۂ بدر مادی اسباب و عوامل کی اساس پر ضرب تھا، کیونکہ اس معرکے میں تمام مادی اسباب قریش کے حق میں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوا کہ حالات غیر منطقی نہج اختیار کریں۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔

معرکۂ بدر اپنے تحفظات و نتائج سمیت ایک بروقت اقدام تھا، جس سے مسلمانوں کا اپنی ذات پر اعتماد بحال ہوا، اور انہیں اسلام سے شدید محبت اور اس کے لئے قربانی کے جذبے کے اظہار کا موقع ملا۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ایک سال کے دوران مسلمانوں نے اپنے خلاف کفریہ طاقتوں کے اتحاد و یگانگت کا بغور مشاہدہ کیا، منافقین کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی بھی سن گن ملتی رہی، جو جارحانہ عزائم اختیار کرنے کے بجائے مفاہمانہ رویہ اختیار کر کے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھے، تاہم بدر کبریٰ کے بعد ان کی عداوت و بغض اور ضرر رسانی کسی پر پوشیدہ نہ رہی، بعد ازں بنی قینقاع اور غزوۂ احزاب میں ان کی شیطانی ذہنیت کا بھرپور اظہار ہوا۔

غزوۂ بدر و احد اور بقیہ غزوات کی تاریخ میں آپ ﷺ کے بہت سے ایسے اقدامات ملتے ہیں، جن میں قدرت کی کارفرمائی قدم بقدم آپ کے ساتھ نظر آتی ہے، یہ اسلئے تا کہ آپ ﷺ کا طرزِ عمل و طرزِ فکر آئندہ نسلوں کے لئے ہر میدان میں مشعلِ راہ بنے، کیونکہ آپ کا آسمان سے رابطہ بطور "مصدرِ رسالت" اور لوگوں میں آپ کردار احکام الٰہیہ کو روزمرہ زندگی میں عملاً نافذ کرنا تھا۔ اس کی تائید قرآن کے اس اسلوب سے ہوتی ہے۔ جس میں آپ ﷺ کے بشری کردار کو مسلسل واضح کیا جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی عملی جدوجہد میں آپ ﷺ کی حکمتِ عملی جدید خطوط پر استوار تھی، اس سے قبل انقلاب برپا کرنے کے لئے یہ طریقہ و اسلوب نہیں اپنایا گیا تھا، آپ ﷺ کی حکمتِ عملی عقل و فکر کے توازن، تامل و تدبیر، ترقی، عدل و مساوات اور ہمہ گیر انقلاب پر مبنی تھی۔ یہ انقلاب اپنے جلو میں انسانیت کے لئے فلاح و بہبود، دنیوی و اخروی سعادت کا پیغام رکھتا تھا اپنی جدت اور ارادۂ الٰہیہ کی بنا پر یہ انقلابی نکتۂ

نگاہ امت واحدۃ تشکیل دینے، اس کی سوچ وفکر کا ایک زاویہ مقرر کرنے اور اجتماعی یکجہتی، باہمی ربط وہم آہنگی پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب وکامران ہوا۔

آپ ﷺ دینی و دنیوی دونوں سطحوں پر مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئے، عظمت وتفوق کے اس مقام تک پہنچے جس کا اعتراف کئے بغیر مخالفین کے لئے بھی کوئی چارا نہیں، آپ نے روئے زمین پر ایک ایسے انقلاب کی داغ بیل ڈالی جس کے نشانات آج تک باقی ہیں، بلکہ تا قیامت باقی رہیں گے۔

اسلام کے مفہوم میں انقلاب کا مقصد اور طریقہ کار تشدد وتخریب کاری نہیں بلکہ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انتظامی امور کو منظم ومرتب کر کے ایک نظام کے تحت لانا ہے۔ بالفاظ دیگر انسان کو بحیثیت انسان ارتقا کے اعلیٰ مراتب پر پہنچانے کا نام اسلام کی تعبیر میں انقلاب ہے۔

۞

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۵،
۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۰،
۳۔ سورۂ حج، آیت ۳۹،
۴۔ سورۂ حجر، آیت ۹۴،
۵۔ سورۂ شعراء، آیت ۲۱۴،
۶۔ سورۂ یٰسین، آیت ۷۸،
۷۔ سورۂ انفال، آیت ۶۰،

ایک نیا معلوماتی اسلامی ماہنامہ

ماھنامہ المدینۃ ۔ کراچی

مینجنگ ایڈیٹر: منیر حسین، ایڈیٹر: قاری حامد محمود قادری،
رابطہ: 68.C، شیرہ کمرشل اسٹریٹ، فیز ٹو، ایکس ٹینشن، ڈیفنس، کراچی،
فون: 5886071-72